© rasailojaraid.com

اسلامی شریعت اور تنظیم نسل

از

الاستاذ علامه محمود شلتوت شیخ الازہر مد ظله

---o---

پیش لفظ

دعوت الی اللہ کی بے پایاں وسعتوں میں شرکت اور دینی برکات میں بصیرت کی نیت سے جامع ازہر کا شعبہ' امور عامه اس روشن دینی مقاله کو پیش کرنیکی سعادت حاصل کرتا ہے - اس مقاله میں " تنظیم نسل " کے موضوع پر شرعی نقطہ' نظر سے سیر حاصل بحث کی گئی ہے تاکہ عوامی قومی انجمن کے ارکان جو قوم کے جلیل القدر فرزند ہونیکی جہت سے ملک کے لئے پیشقدمی کی راہیں متعین کرنے اور ترقی کی بنیادیں استوار کرنے میں مشغول ہیں اور اصلاحی کارناموں کے ساتھ انسان کی ارتقائی امانت اور حیات افروز پیغام کے حامل ہیں ، اس مقاله سے ہدایت اور رہنمائی حاصل کر سکیں - اگر خدا کی شریعت اور اس کا دین ہی ہر اصلاح کے لئے چراغ راہ ہو ، اور وہی تمام لغزشوں اور بے راہ روی کے جملہ خطرات سے حفاظت کا ذریعه بنے ، تو یه کتنی اچھی بات ہے !! -

قل هذه سبیلی ادعو الی الله علی بصیرة انا و من اتبعنی (القرآن)

اے پیغمبر اسلام ! آپ کہدیجیئے که میرا راسته تو یه ہے - میں اور میرے متبعین اللہ کی طرف بصیرت کے ساتھ دعوت دیتے ہیں -

اور توفیق خدا ہی کے ہاتھ میں ہے -

شعبه' امور عامه '
جامع ازہر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تنظیم نسل

عہد قدیم اور جدید ، دونوں ادوار میں یہ مسئلہ موضوع بحث رہ چکا ہے - ماضی میں بھی اس مسئلہ میں اختلاف تھا اور عہد حاضر میں بھی اختلاف چلا آرہا ہے - اس ضمن میں اس مسئلہ کی مثال بھی ان تمام مسائل کی طرح ہے جنہیں مختلف قسم کی تعبیرات سے سابقہ رہا ہو - اور کوئی ایسی واضح نص موجود نہ جو فیصلہ کن انداز میں حقیقت کے چہرہ سے نقاب الٹ دے - چنانچہ کبھی تو فیصلہ ایک محقق کی اپنی رائے پر منحصر ہوجاتا ہے کہ وہ مختلف تعبیرات میں سے جسے چاہے قابل ترجیح سمجھکر اختیار کرلے اور کبھی طالب حق کی اپنی مصلحت پر ، خواہ وہ فرد ہو یا جماعت ، کہ اپنی مصلحت کو سامنے رکھتے ہوئے وہ کسی ایسی تعبیر کو اختیار کرلے جو اس کی اپنی مصلحت سے ہم آہنگ ہو -

تشریع احکام کے سلسلے میں اسلام کا طریقہ یہ ہے کہ جن امور میں مرور زمانہ ، ماحول ، اور مختلف اعتبارات کی تبدیلی سے مصالح میں کوئی تبدیلی پیش نہیں آتی ان کے بارہ میں وہ نص قطعی کے ساتھ دو ٹوک فیصلہ کر دیتا ہے اور اجتہاد یا بحث و نظر کی کوئی گنجائش باقی نہیں چھوڑتا - رہ گئے وہ مسائل جن میں مصالح ، حالات کے تابع ہوتے ہیں - ان کا فیصلہ وہ ارباب فکر و نظر اور مجتہدین کی آراء یا مصالح کے پیمانوں پر چھوڑ دیتا ہے قران کریم کا ارشاد ہے -

ولو ردوہ الی اللہ والی اولی الامر منہم لعلمہ الذین یستنبطونہ منہم (القرآن)

[اگر یہ لوگ اسے رسول اور اپنی جماعت کے ذمہ دار اصحاب تک پہنچا دیتے تو وہ ایسے لوگوں کے علم میں آجاتا جو اس بات کی صلاحیت رکھتے ہیں کہ اس سے کوئی صحیح نتیجہ اخذ کرسکیں -]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں نے اس مسئلے کو اپنی گذشتہ تحریرات میں "عزل" کے عنوان سے پیش کیا تھا اور حالیہ مقالات میں اسے "تحدید نسل" کے عنوان سے لکھا تھا اور اب اسی مسئلہ کو "تنظیم نسل" کے عنوان سے پیش کر رہا ہوں۔

در اصل یہ تمام عنوانات ایک ہی سوال کے جواب ہیں اور وہ یہ کہ ضبط تولید محض خاص قسم کے حالات میں جائز ہے یا عام حالات میں بھی اس کی اجازت ہوسکتی ہے؟

عزل چونکہ ہر دور میں ہر قسم کے لوگوں کے لئے ضبط تولید کا معروف اور آسان طریقہ رہا ہے اس لئے میں نے بھی اپنے گذشتہ ابتدائی مقالات کی بنیاد اسی پر رکھی تھی۔ تاکہ بات اسی سادگی سے پیش کی جاسکے جس سے پرانے لوگ مانوس تھے لیکن جب تمدن کی وسعتیں بڑھیں اور عزل کے سوا ضبط تولید کی دوسری تدابیر بھی لوگوں کو نہ صرف معلوم ہوگئیں بلکہ ان میں عام ہوگئیں تو مجھے بھی اس موضوع کو کبھی تحدید کے عنوان سے اور کبھی تنظیم کے عنوان سے پیش کرنا پڑا۔ تاکہ تمام ممکنہ وسائل کا احاطہ ہوجائے جو منع حمل کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں خواہ وہ عزل ہی ہو یا عزل کے سوا کوئی دوسرا طریقہ ہو۔

"تحدید نسل" سے عام طور پر یہی مراد ہوتی ہے کہ کسی قوم کی بڑھتی ہوئی آبادی کو ایک مقررہ حد پر روک دیا جائے۔ مگر یہ ایسی بات ہے جسے کوئی قوم بھی جو زندہ رہنا چاہتی ہو پسند نہیں کرسکتی۔ خصوصیت کے ساتھ آج کے دور میں جبکہ مختلف اقوام کے درمیان قوت و کثرت کا مقابلہ اور منافست جاری ہے۔ لہذا ضروری معلوم ہوا کہ "تحدید نسل" سے ایسے معنے مراد لئے جائیں جو "تنظیم نسل" کے معنے سے ہم آہنگ ہوں اور جس میں نہ کثرت اولاد سے انکار ہو، اور نہ ہی کسی خاص حد پر پہنچکر آبادی کو روکا جائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اولاد کا حقدار کون ہے ؟

منجملہ ان بنیادی امور کے جن کا جاننا زیر بحث مسئلہ میں ہمارے لئے مفید ہوگا ایک بنیادی سوال یہ ہے کہ پہلے ہم یہ فیصلہ کرلیں کہ " اولاد کا حقدار کون ہوتا ہے "؟ کیا تنہا والد، یا ماں باپ دونوں، یا وہ والدین اور ملت کا مشترکہ سرمایہ ہوتا ہے ؟

اگرچہ فقہاء کرام سے اس ضمن میں کوئی فیصلہ صراحۃً منقول نہیں ہے۔ تاہم ان کے دلائل و آراء پر غور کرنے سے ایسا نظر آتا ہے کہ انہوں نے اس موضوع کو بالکلیہ نظر انداز بھی نہیں کیا - بلکہ ان کے سامنے یہ موضوع بھی رہا ہے . گو اسکی حیثیت ایک دھندلے سے تصور سے زیادہ نہیں ہے - البتہ ہمارے فقہاء نے اس مسئلہ پر کہ "تنظیم نسل" کی شرعاً کہاں تک گنجائش ہے، اسی تعلق سے بحث فرمائی ہے کہ " شرعاً اولاد کا حقدار کون ہے "؟ ہم بھی اسی بنیاد پر ان کے مختلف اقوال کو پیش کرینگے۔

بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ اولاد کا حقدار صرف باپ ہوتا ہے۔ لہٰذا اسکو اختیار ہے - چاہے اولاد کو پیدا کرے یا نہ کرے - امام غزالی متوفی سنہ ۵۰۵ھ اسی نظریہ کے مؤید ہیں - دوسرے فریق کا یہ خیال ہے کہ اولاد کے حقدار، ماں اور باپ دونوں ہوتے ہیں - دونوں کا برابر کا حق ہے - اس رائے کے ماننے والے علمائے حنفیہ ہیں - ایک تیسرے گروہ کا کہنا ہے کہ اولاد امت اور والدین تینوں کا مشترک سرمایہ ہے - لیکن والدین کا حق زیادہ قوی ہے شوافع، حنابلہ اور دیگر مذاہب کے اکثر علماء کا رجحان اسی طرف ہے - ایک چوتھی جماعت اس بات کی قائل ہے کہ اولاد اگرچہ والدین اور امت کا مشترکہ سرمایہ ہوتی ہے لیکن امت کا حق بہ نسبت والدین کے زیادہ قوی ہوتا ہے - علمائے اہل حدیث میں سے ایک جماعت کا یہی خیال ہے -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رائے اول

امام غزالی کی رائے یہ ہے کہ " ضبط تولید " مباح ہےاور اس میں کوئی کراہت نہیں - وہ فرماتے ہیں کہ کسی امر کی ممانعت یا تو کسی نص کی بناء پر ہوسکتی ہے یا کسی ایسے قیاس کی بنیاد پر جس کی شرعاً کوئی اصل موجود ہو۔ مسئلہ زیر بحث میں نہ توکوئی نص موجود ہے اور نہ ہی کوئی ایسی شرعی اصل موجود ہےجس پر قیاس کیا جاسکے۔ البتہ ہمارے پاس اباحت کے بارے میں ایک ایسی بنیاد موجود ہے جس پر قیاس کیا جا سکتا ہے - اور وہ یہ ہے کہ آدمی کا بالکل شادی نہ کرنا ۔ یا شادی کرلینے کے بعد جنسی اختلاط نہ کرنا - یا اختلاط بھی کرنا مگر تخم حیات کو اندر نہ پہنچنے دینا - ان میں سے ہر بات شرعاً مباح ہے اور ہر بات کی اجازت ہے - صرف اتنی سی بات ہے کہ یہ ساری صورتیں ایک افضل اور بہتر صورت کے خلاف یعنی ترک اولیٰ پر مبنی ہیں - لہذا ضبط تولید وغیرہ کی بھی اس طرح اجازت ہونی چاہئے جس طرح ترک ازدواج اور ترک مباشرت کی اجازت ہے -

ضبط ولادت کے بارے میں امام غزالی کی یہی رائے ہے۔ہم یہاں ان محرکات سے بحث کرنا نہیں چاہتے جن کی بنیاد پر انہوں نے یہ نظریہ قائم کیا ہے تاکہ ہم ان محرکات پر غور کریں جن کے پیش نظر انہوں نے یہ رائے کی ہے اتنی بات تو صاف ہوجاتی ہے کہ امام غزالی کے نزدیک ایسے محرکات جو نہ ممنوع ہوں اور نہ مکروہ، وہ اباحت کے اصل حکم پر اثر انداز نہیں ہوسکتے مثال کے طور پر انہوں نے فرمایا ہے کہ ضبط تولید کا محرک جذبہ عورت کے حسن و جمال اور تروتازگی کا تحفظ یا کثرت اولاد کی وجہ سے تنگی اور تکلیف کا خوف بھی ہو سکتا ہے - ظاہر ہے کہ یہ جذبات یا محرکات نہ شرعاً ممنوع ہیں نہ مکروہ ۔

البتہ ایسے محرکات جو بذات خود ممنوع یا مکروہ ہوں تو ان اغراض کی وجہ سے ضبط تولید بھی مکروہ ہوجائے گا ۔ اس کی مثال انہوں نے یہ فرمائی ہے کہ مثلاً لڑکیوں کی پیدائش کا اندیشہ ہونا جیساکہ عربوں میں دستور تھا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

واذا بشر احد هم بالانثی ظل وجهه مسودا وھو کظیم - یتواری من القوم من سوء ما بشر به - ایمسکه علی ھون امریدسه فی التراب الاساء ما یحکمون . (القرآن)

(جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی پیدائش کی خوش خبری دی جاتی ھے تو اس کا چہرہ غم سے سیاہ پڑ جاتا ھے اور وہ خون کا گھونٹ پی کر رہ جاتا ھے - لوگوں سے چھپتا پھرتا ھے کہ اس بری خبر کے بعد وہ کس طرح کسی کو منھ دکھائے - سوچتا ھے کہ اس ساری ذلت و رسوائی کے باوجود اس بیٹی کو رھنے دے یا اسے مٹی میں دبا دے۔ کتنا برا فیصلہ ھے جو یہ لوگ کرتے ھیں)

امام غزالی کی رائے کا خلاصہ یہ ھے کہ ’’ ضبط تولید بذات خود مباح ھے قطع نظر ان اغراض و محرکات کے جو کسی شخص کو ضبط تولید پر آمادہ کرتے ھیں چنانچہ اگر وہ محرکات مکروہ ھوں تو ضبط تولید کا عمل بھی مکروہ ھوجائے گا - ورنہ نہیں -

امام غزالی کی اس رائے پر مندرجہ ذیل اعتراضات ھوسکتے ھیں ۔

(۱) اول یہ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ و سلم نے فرمایا ھے کہ جو شخص اولاد کی پرورش کے ڈرسے نکاح نہ کرے وہ ھم میں سے نہیں ھے ‘‘ -

(۲) دوم یہ کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے عزل کے بارہ میں جب دریافت کیا گیا تو آپ نے جواب میں فرمایا تھا - ’’یہ بھی خفیہ طور پر بچوں کو زندہ درگور کر دینا ھی ھے ‘‘ -

(۳) سوم یہ کہ ابن عباس رض کا قول ھے کہ ’’عزل ، چھوٹے پیمانہ‘‘ پر بچہ کو زندہ دفن کر دینے‘‘ ھی کی ایک صورت ھے ‘‘ -

امام غزالی نے ان اعتراضات کا جواب دینے کی بھی کوشش فرمائی ھے - وہ فرماتے ھیں کہ پہلے اعتراض میں جو حدیث پیش کی گئی ھے - اس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ ’’ایسا آدمی ھم میں سے نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے" اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہماری سنت اور ہمارے طریقہ پر نہیں ہے۔ اور ہماری سنت سے مراد ، انتہائی کامل سنت ہے ۔ یعنی اس شخص نے ایک ایسی سنت کی مخالفت کی ہے جو انتہائی درجہ کی کامل اور مثالی سنت تھی اس سے کراہت اور مخالفت لازم نہیں آتی ۔

دوسرے اعتراض میں جو حدیث بیان کی گئی ہے وہ اباحت کی حدیثوں کے مقابلہ میں قوی نہیں ہے ۔ حضرت جابر رضؓ سے روایت ہے کہ ہم نبی اکرم صلے اللہ علیہ و سلم کی زندگی میں عزل کیا کرتے تھے حالانکہ اس وقت قرآن نازل ہو رہا تھا ۔

رہ گیا ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا قول کہ "عزل کرنا ، چھوٹے پیمانہ پر بچہ کو زندہ دفن کرنے ہی کی ایک صورت ہے" ۔ تو یہ محض ان کا اپنا قیاس ہے ۔ انہوں نے ضبط تولید کو اولاد کشی پر قیاس کر لیا ہے ۔ مگر یہ قیاس ضعیف ہے ۔ حضرت علی رضؓ نے ابن عباس رضؓ کے اس قیاس پر نکیر فرمائی تھی اور فرمایا تھا ۔ کہ بچہ کو زندہ دفن کرنا سات حالتوں کے بعد ہو سکتا ہے ۔ پھر انہوں نے یہ آیت تلاوت فرمائی تھی ۔

ولقد خلقنا الانسان من سلالة من طين ، ثم جعلناه نطفة فى قرار مكين ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة فخلقنا المضغة عظاماً ، فكسونا العظام لحما ، ثم انشأناه خلقاً اخر ، فتبارك الله احسن الخالقين ۔ (القرآن)

ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کیا ہے ۔ پھر ہم نے اسے ایک مستحکم قرار گاہ میں نطفہ کی صورت میں بنایا ۔ پھر اس نطفہ کو لوتھڑے کی شکل عطا کی ، پھر اس لوتھڑے کو گوشت کی بوٹی کی صورت بخشی ، پھر ہم نے اس گوشت کے ٹکڑے کو ہڈیوں کی صورت دی ۔ اس کے بعد ان ہڈیوں پر گوشت چڑھایا ۔ اس کے بعد ہم نے اسے ایک دوسری ہی تخلیق سے نوازا ۔ کتنا پاک اور بابرکت ہے وہ خدا جو سب پیدا کرنے والوں سے بہتر پیدا کرنے والا ہے ۔

2/1881

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رائے دوم

فقہائے حنفیہ کا خیال ہے کہ اگر بیوی بھی اجازت دیدے تو اس شرط کے ساتھ ضبط ولادت مباح ہے - کیونکہ اولاد میں ماں اور باپ دونوں برابر کے حقدار ہیں - صاحب ھدایہ نے لکھا ہے کہ بیوی سے اس کی اجازت کے بغیر عزل نہیں کرنا چاھیئے - کیونکہ حصول اولاد ، بیوی کے حقوق میں شامل ہے - علمائے حنفیہ میں سے کمال ابن الھمام وغیرہ بھی اسی کے قائل ہیں - حنفیہ کہتے ہیں کہ ان کا اصل مسلک یہی ہے - لیکن متاخرین نے اپنے زمانے میں اس بات کے جواز کا فتویٰ دیا ہے کہ زوجین میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کی اجازت کے بغیر ضبط تولید کر سکتا ہے - لیکن یہ فتویٰ اس صورت میں ہے جبکہ زمانہ کے فساد کی وجہ سے نالائق اولاد پیدا ہونے کا اندیشہ ہو - ان حضرات کا یہ فتویٰ اس اصول پر مبنی ہے کہ زمانہ کی تبدیلی سے بہت سے احکام بھی تبدیل ہو جاتے ہیں -

رائے سوم

جمہور علماء اور فقہاء کا خیال ہے کہ چونکہ اولاد میں ملت بھی حقدار ہوتی ہے اس لئے ضبط ولادت مکروہ ہے - چنانچہ ان کا ارشاد ہے کہ اس کی کراہت حضرت عمر رض ، حضرت علی رض اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے اور اسکی وجہ یہی ہے کہ ضبط ولادت کرنا دراصل نسل انسانی کو کم کرنا ہے - حالانکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے افزائش نسل کی خاطر شادی کرنے کی ترغیب دی ہے - چنانچہ آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ " باھمی نکاح کرو - نسل میں اضافہ کرو - اس سے تمہاری تعداد میں بھی اضافہ ہوگا " - آپ کا ایک دوسرا ارشاد یہ بھی ہے کہ " سیاہ فام مگر زیادہ بچے جننے والی عورت ، خوبصورت ، بانجھ عورت سے بہتر ہے " - ضبط ولادت کے سلسلے میں جمہور علماء اور فقہاء کی یہ رائے اس لئے ہے کہ ان کے خیال میں اولاد میں ملت کا حق بھی ہوتا ہے - جہاں تک اولاد میں زوجین کے حق کا تعلق ہے تو ، اس جہت سے ان کا فتویٰ یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے کہ اگر شوہر بیوی کی رضامندی کے بغیر عزل کر لے تو ضبط ولادت حرام ہے ۔ لیکن اس کے ساتھ ہی جمہور کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ شدید شرعی ضرورت لاحق ہو تو پھر ضبط ولادت بلا کراہت کے جائز ہے ۔ اس کی مثال وہ یہ دیتے ہیں کہ مثلاً میاں بیوی ، دونوں جہاد میں مصروف ہوں اور اس امر کا اندیشہ ہو کہ استقرار حمل ، بیوی کے لئے کمزوری اور سفر و جہاد میں مشقت کا باعث ہو گا ۔ یا یہ اندیشہ ہو کہ اگر دارالحرب میں ان کے کوئی بچہ پیدا ہو جائے جہاں اس کی پرورش اور صحت و تندرستی قائم رکھنے کیلئے اطمینان بخش وسائل موجود نہ ہوں ۔ تو یہ بات ان کیلئے پریشانی کا باعث ہوگی ۔

اس نظریہ کے ماننے والوں میں ، کہ ضبط تولید ہر حال میں مکروہ ہے ، موفق الدین ابن قدامہ حنبلی متوفی ۶۳۰ھ بھی شامل ہیں ۔ اس گروہ میں امام نووی رح شافعی متوفی ۶۷۶ھ بھی ہیں ۔ شرح مسلم میں امام نووی کی عبارت اس طرح ہے ۔

ہمارے نزدیک عزل ہر حال میں اور ہر عورت کے ساتھ مکروہ ہے ، خواہ وہ راضی ہو یا نہ ہو ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ نسل کو ختم کرنے کا ایک طریقہ ہے ۔ اسی لئے اس کو حدیث میں وأد خفی (پوشیدہ طور پر زندہ درگور کر دینا) کہا گیا ہے ۔ یعنی عزل بچہ کو زندہ دفن کر دینے کے مرادف ہے ۔ کیونکہ اس سے پیدائش کی راہ مسدود ہوجاتی ہے ۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ بچہ کو زندہ دفن کر کے مار دیا جائے ۔ "

امام نووی نے بڑی شدت کے ساتھ امام غزالی کے ان اعتراضات کی بھی تردید فرمائی ہے جو انہوں نے ابن عباس رضہ کے اس قول پر فرمائے تھے کہ "عزل کرنا گویا چھوٹے پیمانہ پر اولاد کو زندہ دفن کر دینا ہے " امام غزالی نے فرمایا تھا کہ اس جگہ حقیقتہ زندہ دفن کردینا مراد نہیں بلکہ محض تشبیہ اور استعارہ مراد ہے ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رائے چہارم

ایک فریق جس میں ابن حبان رح(۱) اور ابن حزم رح(۲) بھی شامل ھیں ضبط ولادت کو مطلقاً حرام سمجھتا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اولاد میں امت کا حق غالب ہوتا ہے۔ والدین کا حق اتنا وزنی نہیں ھوتا کہ وہ ملت کے مفاد کو نظرانداز کرکے اپنی مرضی سے ضبط تولید کرسکیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ عزل کرنے سے نسل منقطع ھو جاتی ہے جو ملت کا نقصان ہے۔ حالانکہ شرعاً اضافہ نسل مطلوب ہے بلکہ شادی کرنے کا مقصد اولین بھی یہی ہے نیز ان کے نزدیک عزل کی مثال ایسی ہے کہ ایک وادی سے پانی کو روک دیا جائے جبکہ طبعی طور پر وھاں پانی کی ضرورت ھو۔ تاکہ اس کے ذریعہ سے روئیدگی اور پھولوں کی پیداوار ھوسکے اور لوگ اس سے نفع اٹھا سکیں اور دنیا کی آبادی اور خوش حالی میں اضافہ ھو۔

اسقاط حمل کا حکم

جس طرح اھل علم نے عزل کے ساتھ ضبط ولادت کے حکم پر بحث فرمائی ھے اسی طرح انھوں نے اسقاط حمل کے موضوع پر بھی بحث کی ھے۔ اس امر پر تو تمام علماء کا اتفاق ھے کہ بچے میں روح پڑ جانے کے بعد اسقاط حمل حرام ھے۔ کسی مسلمان کے لئے اس کا ارتکاب جائز نہیں۔ کیونکہ یہ ایک جاندار اور ذی روح کو قتل کردینے کے مرادف ھے اسی لئے اگر اسقاط کی صورت میں بچہ زندہ نکلے تو اس کی وجہ سے دیت (خون بہا) لازم آتی ہے۔ اور اگر مردہ نکلے تو شریعت نے ایک غلام آزاد کرنا (بطور کفارہ کے) لازم قرار دیا ھے لیکن اس صورت میں کہ بچے کی عضویت مکمل ھوجائے (لیکن ابھی روح نہ پڑی ھو) تو اس کے اسقاط کے جائز اور حرام ھونے میں اختلاف ھے ایک فریق کا

---

(۱) ابن حبان رح کا نام ابو حاتم محمد بن حبان بستی ہے - یہ مشہور امام اور محدث گذرے ھیں - صحیح ابن حبان ان ھی کی تصنیف ہے - نیز آپ اور بھی کئی مفید کتابوں کے مولف ھیں - انھوں نے ۳۵۴ ھ میں وفات پائی -

(۲) ابن حزم فخر اندلس اور پانچویں صدی ھجری کے مجدد ھیں - انھوں نے ۴۵۶ھ میں وفات پائی -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ خیال ہے کہ ایسی صورت میں اسقاط جائز ہے - کیونکہ بچہ میں جان نہیں پڑی لہذا اس کے اسقاط سے نہ قتل کا جرم عائد ہوسکتا ہے اور نہ ہی حرمت کافیصلہ دوسرے گروہ کی رائے یہ ہے کہ یہ بھی حرام ہے - ان کی دلیل یہ ہے کہ اس میں ایک ایسی زندگی آچکی ہے جو بہر حال قابل احترام ہے - یہاں زندگی سے ان کی مراد نشو و نما ، بالیدگی اور روح کو قبول کرنے کی صلاحیت ہے اسی گروہ میں امام غزالی بھی شامل ہیں - انہوں نے اس مسئلے سے بھی تعرض فرمایا ہے بلکہ اسقاط کی زیر بحث صورت اور عزل کے درمیان فرق بھی بتایا ہے وہ فرماتے ہیں کہ عزل کرنا ، زندہ بچے کو گرادینے یا زندہ دفن کردینے کے مرادف نہیں ہے - کیونکہ عزل کے برخلاف ان دونوں صورتوں میں تو ایک موجود اور حاصل شدہ چیز کو ہلاک کرنے کا جرم لازم آتا ہے - جب کہ عزل میں کسی موجود اور حاصل شدہ چیز کو ہلاک نہیں کیا جاتا۔ وہ لکھتے ہیں کہ مراتب وجود میں سے پہلا مرتبہ یہ ہے کہ مادہٴ حیات اپنے مقام (قرار گاہ) تک پہنچ جائے - اور انثوی بیضہ کے ساتھ اختلاط کے بعد اس میں زندگی کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہوجائے - اس میں کسی انداز سے بھی فساد انگیزی جرم ہے - اور جیسے جیسے مادہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہوتا جائیگا، جرم بھی اسی انداز سے شدید تر ہوتاچلاجائیگا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے منتہیٰ تک پہنچ جائے اور اس میں زندگی پیدا ہوجائے۔ علمائے حنفیہ میں سے اس گروہ کے ہم خیال ''خانیہ'' کے مصنف بھی ہیں - وہ فرماتے ہیں کہ میں ایسے اسقاط کے جواز کا قائل نہیں ہوں - کیونکہ اگر کوئی شخص حالت احرام میں شکار کیئے جانے والے پرندہ کے انڈے توڑدے تو اسکو تاوان دینا پڑتا ہے - کیونکہ یہ انڈے پرندوں کی اساس ہیں - کہ ان ہی سے پرندے پیدا ہوتے ہیں - شریعت جب ایسے شخص سے تاوان وصول کرکے مؤاخذہ کرسکتی ہے ، تو اسقاط کی صورت میں اس سے کم تو تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ کم از کم گناہ تو ہوگا ہی - لیکن یہ اس وقت ہے جبکہ اسقاط حمل بغیر کسی معقول عذر کے کیا جائے - ابن وھبان رد فرماتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں کہ منجملہ دیگر اعذار کے ایک عذر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عورت اپنے بچہ کو دودھ پلارہی تھی کہ وہ حاملہ ہوگئی اور حمل ظاہر ہونے کے بعد عورت کے دودھ اترنا بند ہوجائے اور بچہ کا والد بچہ کو دایہ کے ذریعہ سے دودھ پلوانے کی استطاعت نہ رکھتا ہو اور اس طرح بچہ کی ہلاکت کا اندیشہ ہو۔ ابن وہبان رح نے " ذخیرہ " کے حوالے سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ اگر کوئی عورت اس زمانہ سے پہلے پہلے جبکہ بچہ میں جان آجاتی ہے، اسقاط حمل کرنا چاہے تو اس کے جواز میں علماء کا اختلاف ہے۔ فقیہ علی بن موسیٰ رح فرماتے ہیں کہ ایسا کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ رحم مادر میں نطفہ کے پہنچ جانے کے بعد اس کا لازمی نتیجہ زندگی ہے۔ اسلئے ہم نطفہ کو زندہ بچہ کے حکم ہی میں سمجھتے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص حرم میں شکار کئے جانے والے پرندوں کے انڈے توڑدے۔ "ظہیریہ" میں بھی اسی طرح منقول ہے۔ ابن وہبان رح فرماتے ہیں کہ لہذا اسقاط کی اجازت محض عذر کی حالت پر محمول کی جائیگی۔ یا یوں کہا جائے گا کہ اجازت کا مطلب صرف اتنا ہے کہ کم از کم عورت پر قتل کا گناہ لازم نہیں آئیگا۔

ابن وہبان رح کا ایک شعر ہے:

ویکره ان تسعي لاسقاط حملها   وجاز لعذر حيث لايتصور

(عورت کیلئے اسقاط حمل کی کوشش کرنا مکروہ ہے۔ البتہ عذر کی بناء پر جائز ہے جہاں (گناہ کا) خیال نہ ہو۔)

فقہاء نطفہ میں حیات تسلیم کرتے ہیں

یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ علمائے شریعت بھی اطباء کیطرح نطفہ میں حیات کے قائل ہیں۔ وہ نطفہ میں حیات کو تقدیری طور پر تسلیم کرتے، اسکی اہمیت کو مانتے، اور اس حیات تقدیری پر حیات کے آثار و احکام بھی مرتب کرتے ہیں۔ ہم نے یہی بات فقہاء کے اس فیصلہ میں بھی محسوس کی ہے جو وہ حرم میں کسی شکار کئے جانے والے پرندہ کے انڈے توڑدینے والے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شخص کے خلاف کرتے ہیں ۔ کیونکہ یہ انڈا ہی پرندہ کی اصل، اس کی اساس اور بنیاد ہوتا ہے ۔

رہگئی وہ زندگی جو چوتھے مہینہ میں بچہ کو حاصل ہوتی ہے تو وہ حس و حرکت والی زندگی ہوتی ہے جسے قرآن کریم نے " خلقاً آخر " سے تعبیر کیا ہے ۔ اور جسے حدیث نبوی میں " نفخ روح " (جان ڈالنے) سے تعبیر فرمایا گیا ہے ۔

جو علماء کرام جان پڑجانے سے پہلے نفی حیات کے قائل ہیں تو اس سے بھی ان کی مراد حس و حرکت والی زندگی ہی کی نفی ہوتی ہے، نشوونما والی زندگی کی نہیں۔ وہ حضرات بھی بیضہ ہائے رحم میں ایسی حیات کے منکر نہیں ہیں جس کا نتیجہ نشوونما اور ان دیگر مراتب حیات کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے جنکی طرف قرآن کریم نے انسانی پیدائش کے سلسلے میں اشارہ فرمایا ہے ۔ غالباً فقہائے کرام نے بھی غیر موذی شکار کے انڈے توڑنے والے شخص پر تاوان کی تعیین میں اسی اصول پر اعتماد کیا ہے ۔

اولاد میں ملت کا حق اور فقہاء کی تصریحات

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جمہور فقہاء نے اگرچہ اس مسئلہ سے کچھ زیادہ واضح دلچسپی کا تفصیلی طور پر مظاہرہ نہیں کیا کہ اولاد میں ملت کا حق کس قدر ہوتا ہے، مگر اسکی وجہ یہ نہیں ہے کہ انھوں نے اس ضمن میں ملت کے پہلو سے چشم پوشی فرمائی ہے ۔ یا انھوں نے اس بات کو نظر انداز کردیا ہے ۔ بلکہ اس کا سبب یہ ہے کہ ان کے نزدیک اس جہت سے ملت کا حق بالکلیہ محفوظ تھا ۔ اسے کوئی اندیشہ لاحق نہیں تھا ۔ جسکی بعض وجوہ ہیں ۔

اول تو یہ کہ خود اسلامی شریعت میں شادی کی ایک خاص اہمیت ہے جس پر خود دین و مذہب کی چھاپ پڑی ہوئی ہے ۔ چنانچہ شادی کرنے پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر آخروی ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے ۔ پھر اسی وسیلہ سے حفاظت عصمت کا وہ فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے جو شرعاً مقصود ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان ان مقاصد کو حاصل کرنے کیلئے دینی بنیاد پر بھی شادی کے حریص اور شائق ہوتے ہیں ۔ اور بلا شبہ یہ مقاصد (اگر شادی نہ کی جائے) تو بعض فطری تقاضوں اور رجحانات کو جبراً دبائے بغیر حاصل نہیں ہوسکتے ۔ کیونکہ پانی تو ہمیشہ نشیب ہی کی طرف بہتا ہے ۔ اسی وجہ سے مسلمان عموماً عزل یا کسی ایسی چیز کی طرف بھی راغب نہیں ہوتے اور افزائش نسل کا سلسلہ جو امت کے پھلنے پھولنے اور باقی رہنے کیلئے مطلوب ہے ، برابر قائم رہتا ہے ۔

دوسری بات یہ ہے کہ نسل کشی اور افزائش نسل کی شدید خواہش انسانی طبیعت میں راسخ ہے ۔ اس طبعی رجحان میں خلل اندازی کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ بچے کم پیدا کرنے کا رجحان عام طور پر پھیل جائے یا لوگ سرے سے قطع نسل کے لئے آمادہ ہوجائیں ۔ اگر کسی معاشرہ میں کچھ ایسے لوگ مل بھی جائیں تو وہ محض چند گنے چنے لوگ ہی ہوسکتے ہیں ، جن کے اپنے کچھ مخصوص رجحانات اور خاص حالات اس کے متقاضی ہونگے ۔ لہذا ان جیسے معدودے چند لوگوں کے بارے میں اباحت کا قائل ہوجانے سے نہ پوری قوم کی تقدیر پر کوئی اثر پڑسکتا ہے اور نہ ہی اولاد میں ملت کے حق پر ۔

تیسری بات یہ ہے کہ امت مسلمہ اپنی طاقت و کثرت کے دور میں اس نقطۂ عروج پر فائز تھی اور پورے معمورۂ زمین پر اس انداز سے پھیلی ہوئی تھی کہ ملت کی کمزوری ، افراد کی قلت ، اور اعصاب کے ضعف کا خیال بھی ان کے دل میں کبھی نہیں گزر سکتا تھا ۔ اسلئے مسلمانوں نے اجتماعی انداز سے اس موضوع پر کبھی غور ہی نہیں کیا ۔ بلکہ انہوں نے اپنی توجہ محض فرد ہی پر ، یا یوں کہہ لیجئے کہ ، زیادہ تر ایسے فرد ہی پر مبذول رکھی جسے اس قسم کے رجحان سے کوئی سابقہ پڑگیا یا وہ ایسے حالات کا شکار ہوگیا جن میں کثرت اولاد کے باعث اسکی غم ناآشنا زندگی مکدر ہوکر رہ گئی ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہم پورے وثوق کے ساتھ کہ سکتے ہیں کہ اگر مسلمان وسیع تر افق پر نظر ڈالتے یا یہ اندازہ کرسکتے کہ آئندہ دور میں ایسے لوگ بھی ہوسکتے ہیں جنکے دین و اخلاق میں اتنی کمزوری اور بگاڑ پیدا ہوجائیگا کہ وہ شادی کی بہ نسبت آشنائی کو، اور نکاح کے ذریعہ حفاظت عفت کی نسبت شہوت رانی کو ترجیح دینے لگیں گے۔ کچھ ان میں ایسے بھی ہونگے جو افزائش نسل سے اسلئے احتراز برتیں گے کہ اپنا سرمایہ محفوظ رکھ سکیں جس کا باکردار اور عمل آشنا لوگوں کی نظر میں کوئی وزن نہیں ہوتا ۔ ان میں کچھ ایسے بھی ہونگے جو کسل مندی، کاہلی اور بیکاری کی زندگی ہی کو پسند کرینگے اور ان کی حالت یہ ہوگی کہ جب کبھی انہیں استقرار حمل یا اولاد کی خبر ملیگی تو دنیا ان کی نظر میں اندھیر ہوجائیگی ۔ اور اس قسم کی خبروں سے دنیا کی اندھیاری ان کیلئے بڑھتی ہی چلی جائیگی ۔

ہم پورے اعتماد کے ساتھ کہتے ہیں کہ اگر وہ اس مسئلہ کو اس نقطہ نظر سے دیکھتے تو وہ بالاتفاق ضبط ولادت کی حرمت کا فتویٰ دیتے ۔ مگر یہ کہ کسی شدید ضرورت کی بناء پر ہی اس کا سہارا لینا پڑتا ۔

اولاد میں ملت کا حق اور شریعت

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلامی شریعت نے اولاد کو والدین اور ملت کے درمیان ایک مشترک حق قرار دیا ہے ۔ چنانچہ باپ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اولاد حاصل کرنے کیلئے وہ تمام وسائل و ذرائع کام میں لائے جو شرعاً جائز ہیں ۔ اس کا فرض ہے کہ وہ اولاد کی بہتر سے بہتر نشو و نما، پرورش اور عمدہ تربیت کرے اور یہ سب کچھ کرکے اسے ملت کے حوالے کردے ۔ تاکہ اولاد بڑی ہوکر خود اس کیلئے اور ملت کیلئے کارآمد اثاثہ ثابت ہو۔ انصاف پسندانہ شرکت کا اصول یہی ہے کہ فریقین میں سے کوئی ایک دوسرے کا حق نہ مارے۔ اولاد اگر ایک طرف والد کی شہرت و عزت کا باعث ہے تو دوسری طرف ملت کی عمارت کی اینٹ بھی وہی ہے ۔ اور منجملہ قوت و طاقت کے دیگر ذرائع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

و اسباب کے ایک بڑا ذریعہ نسل بڑھانا اور توانا بچے پیدا کرنا بھی ہے۔ اسلامی شریعت نے خود بھی طاقت و قوت، عزت و شوکت، وسعت آبادی اور غلبہ و تسلط کے اسباب فراہم کرنے نیز دنیا کی تعمیر، زندگی کے استحکام اور ارتقاء کیلئے کارگذار ہاتھوں کی کثرت کی ترغیب دی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام بلند مقاصد بغیر افزائش نسل کےحاصل نہیں کئے جاسکتے۔ چنانچہ افزائش نسل ہی سے کسی امت کا بقا وابستہ ہوتا ہے۔ اسی سے اسکی طاقت میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہی اس کے شوکت و غلبہ کا باعث بنتی ہے۔ ان باتوں کو بھی جانے دیجئے۔ شریعت نے جن چیزوں کو واجب اور لازمی قرار دیا ہے، وہ بھی افزائش نسل کے بغیر پوری نہیں ہوسکتیں۔ مثلاً نیکی کی راہ میں جہاد کرنا۔ ہر زمانہ میں حق و اصلاح کی طرف دعوت دینا۔ اور مستقلاً فوجی اعتبار سے طاقتور اور مستعد رہنا تاکہ برائی کی طاقتوں سے جنگ آزمائی کیلئے تیار رہا جاسکے۔ جسکی ترغیب قرآن کریم نے ان الفاظ سے دی ہے۔

واعدوا لهم مااستطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم. (القرآن)

(اور جہاں تک تمہارا بس چلے تم طاقت جمع کرنے کی تیاری میں لگے رہو۔ سرحدوں پر اپنے گھڑ سواروں کے یونٹ ہر وقت لگائے رکھو تاکہ اسی طرح تم اللہ کے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو خوف زدہ اور مرعوب کرسکو۔) کیا یہ تمام واجبات و فرائض افزائش نسل کے بغیر پورے کئے جا سکتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ نہیں!! لہذا افزائش نسل ہمارے لئے ہر حیثیت سے ضروری ہے۔

شریعت اور افزائش نسل

اگر ان کے سوا دوسری باتیں نہ بھی ہوتیں تب بھی اتنی سی بات سمجھنے کے لئے تو مذکورہ حقائق بھی کافی سے زیادہ ہیں کہ شریعت اسلامی کے نزدیک بنیادی مقصد افزائش نسل ہی ہے اور یہ کہ والدین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو اپنی اولاد میں اتنا ہی حق ہے کہ وہ اولاد کو پرورش کر کے سلت کی خدمت کے قابل بنا دیں کہ جو امور ان سے متعلق ہوں وہ انہیں باحسن وجوہ انجام دے سکیں۔ آپ جانتے ہیں کہ شادی کرنا ایک فطری تقاضا ہے ۔ اس سے انحراف کے بارے میں کوئی مہذب آدمی سوچ بھی نہیں سکتا ۔ مگر اس کے باوجود قرآن و حدیث میں اسکی جابجا ترغیب دیگئی ہے۔ ہمیں حق تعالی کے اس ارشاد پر غور کرنا چاہیئے جو اس نے اپنے بندوں پر احسان جتاتے ہوئے فرمایا ہے

واللہ جعل لکم من انفسکم أزواجاً وجعل لکم من ازواجکم بنین وحفدة ورزقکم من الطیبت .

اور خدا نے تمہارے لئے تمہارے ہی میں سے تمہارے جوڑے بنا دیئے اور ان جوڑں سے تمہارے بیٹے اور پوتے پیدا کر دئے اور تمہیں پاکیزہ چیزوں کا رزق عطا فرمایا ۔

نیز حق تعالی کا ایک دوسرا ارشاد بھی قابل توجہ ہے جو اس زندگی میں نرینہ اولاد کی اہمیت کو واضح کر دیتا ہے ۔

المال والبنون زینة الحیوة الدنیا .

مال و دولت اور بیٹے دنیوی زندگی کی زینت ہیں ۔ علاوہ ازیں حضوراکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی پر بھی غور فرمایئے جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ ”نکاح کرو ، نسل بڑھاؤ ، کیونکہ قیامت کے روز میں ساری امتوں پر تمہاری کثرت سے فخر کروں گا “۔ نیز آپ کا ارشاد ہے ۔ ” زیادہ بچے پیدا کرنے والی سیاہ فام عورت ، ایک بانجھ خوبصورت عورت سے بہتر ہے “ ۔ نیز آپ نے فرمایا ہے کہ ” جو شخص عیالداری کے خوف سے نکاح نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے “۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس سے یہ بات واضح ہوگئی ہوگی کہ ضبط ولادت کی مطلقا اباحت جیسا کہ امام غزالی کا قول ہے یا زوجین کی رضامندی کے ساتھ، جیسا کہ حنفیہ قائل ہیں ' ان دونوں صورتوں میں امت کی حق تلفی ہے۔ جس کی طرف مذکورہ بالا نصوص اشارہ کر رہی ہیں - اتنا ہی نہیں بلکہ وہ روح شریعت کے فیصلہ کے بھی خلاف ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو خصوصیت کے ساتھ ہمارے اس دور میں جبکہ مسلم اقوام کمزوری ' انتشار اور افراتفری میں مبتلا ہیں ، فکر و نظر کی میزان میں امت کے حق کو ہی اولین درجہ حاصل ہونا چاہیئے -

محض حسن و جمال اور جنسی حظ اندوزی کی حفاظت کی غرض سے ضبط تولید کی اجازت دیدینا، جیسا کہ امام غزالی رحہ کا خیال ہے، طبیعت انسانی کو اپنے فرائض کی ادائیگی اور نتیجہ خیزی سے روکدینا ہے۔ ڈاکٹر سلیمان پاشا عزمی نے اپنی ایک تقریر میں وضاحت کی ہے کہ جسمانی و روحانی حظ اندوزی کی غرض سے یا عورتوں کو ورزش اور کھیل کود کی کھلی آزادی دینے کیلئے تجدید نسل کی ضرورت کو کسی صورت میں بھی میڈیکل سائنس تسلیم نہیں کرتی اور جب طب ہی جو ہماری صحت، طاقت، قوت اور کمزوری کی نگراں اور محافظ ہے اس ضرورت کو تسلیم نہیں کرتی تو اسلامی شریعت جو طب سے زیادہ مضبوط اصولوں پر قائم ہے، ان اغراض کے لئے ضبط تولید کے جواز کو کس طرح تسلیم کرسکتی ہے؟ وہ تو ضبط تولید کے عمل کو اس سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ روکنا چاہیگی۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ شریعت اسلامی نے اپنے احکام کی بنیاد طب کے دائرہ میں یقیناً طبی تقاضوں کی مطابقت پر ہی رکھی ہے مگر اسکی نظر میں صرف طبی تقاضے ہی نہیں ہوتے - وہ اس سے بہت آگے جاتی ہے۔ وہ خاندان اور ملت کی تعمیر و ترقی کے سلسلہ میں جو ظاہر ہے کہ خاندان اور ملت کی اولاد در اولاد کے ذریعہ ہی سے ہوسکتا ہے، بیوی کو ایک بلند اور باعزت مقام بھی عطا کرنا چاہتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہاں دو قوی وجوہ ہیں جو ضبط ولادت کی مطلق اباحت کے خلاف پیش کی جاسکتی ہیں ۔ اول تو یہ کہ اولاد میں ملت کا حق بھی ہوتا ہے ۔ اسلامی شریعت، ملت کی بقاء اور قومی ترقی کی حفاظت کے پیش نظر، ملت کے اس حق کو تسلیم کرتی ہے کہ وہ افزائش نسل کا مقابلہ کرے ۔ دوسری بات یہ کہ فطری آلات کو اپنے فرائض کی ادائیگی سے جن کیلئے انھیں پیدا کیا گیا ہے روکدینا خود فطرت کا مقابلہ کرنا ہے ۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے

ربنا الذی اعطی کل شیٔ خلقه ثم هدی ۔

ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو وجود بخشا پھر اسکو اسکی تکمیل کی راہ بھی دکھادی ۔ ایک دوسری آیت ہے :

یا ایها الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدة وخلق منها زوجها وبث منهما رجالاً کثیراً ونساء ۔

” اے لوگو! اپنے اس پروردگار سے ڈرتے رہو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑ بھی پیدا کردیا ۔ پھر ان دونوں سے بیشمار مرد اور عورتیں پھیلادیں“، تیسری جگہ ارشاد ہے :

یا ایها الناس انا خلقناکم من ذکر وانثیٰ وجعلناکم شعوباً وقبائل لتعارفوا ۔

اے لوگو! ہم نے تم کو نر و مادہ سے پیدا کیا اور تمھیں خاندانوں اور برادریوں میں تقسیم کردیا تاکہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچان سکو ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شریعت میں ناتواں انسانوں کی کثرت پسندیدہ نہیں

طب اور طبیعت انسانی کا نقطۂ اتصال ایک تو مذکورہ بالا صورت ہے۔ دوسرا نقطۂ اتصال یہ بھی ہے کہ حصول اولاد اور اسکی افزائش کی کھلی چھٹی دیدینے سے جو مضرتیں بیوی اور ملت کو پہنچتی ہیں ان کا ازالہ دونوں کے نزدیک ضروری ہے۔ چنانچہ جس طرح طب ایسے استقرار کو گوراہ نہیں کرتی جس سے عورت یا بچہ کو کوئی مضرت پہنچنے کا اندیشہ ہو اور شریعت بھی اس ضمن میں طب کی ہمنوا بنجاتی ہے۔ اسی طرح شریعت انسانوں کے ایسے ہجوم کو بھی پسند نہیں کرتی جو لاغر، ناتواں اور کمزور ہوں۔ محض تعداد میں اپنی نسبت کی بلندی اس کے ہاں کوئی وزن نہیں رکھتی اور نہ ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایسی کثرت پر فخر فرمائینگے۔ بلکہ اس کے برعکس شریعت ایسی کثرت کو حقارت اور ناگواری کی نظر سے دیکھتی ہے۔ ''دلائل نبوت'' میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو ارشادات بیان ہوئے ہیں وہ اسی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ مثلاً آپ نے فرمایا کہ:

''عنقریب دنیا کی قومیں تم پر اس طرح لپکیں گی جیسے کھانے والے پیالے کی طرف لپکتے ہیں۔ اس پر کسی نے سوال کیا کہ کیا اسی وقت ہم اقلیت میں ہونگے؟'' آپ نے فرمایا نہیں۔ بلکہ تم تعداد میں زیادہ ہوگے۔ لیکن تمہاری حیثیت سیلاب کے خس و خاشاک کی سی ہوگی۔ اور خدا تمہارے دشمن کے سینہ سے تمہارا رعب نکال لیگا۔ اور تمہارے دلوں میں ''وھن ڈال دیگا''۔ اس پر کسی نے پھر سوال کیا کہ ''وھن'' سے کیا مراد ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ۔ ''دنیا کی محبت اور موت سے نفرت''۔ یہ حدیث بتلاتی ہے کہ ایسی کثرت جس میں کمزوری کے عوامل غالب ہوں، اس میں کوئی خوبی نہیں ہے۔ جس طرح جسمانی ساخت میں ضعف کے عوامل ہوتے ہیں اسی طرح اخلاق میں بھی ضعف کے عوامل پائے جاتے ہیں۔ نیز جس طرح بزدلی اور بخل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے وھن (دنیا کی محبت اور موت سے نفرت) پیدا ھوتا ھے۔ اسی طرح ضعف جسمانی بھی اس کا ایک سبب ھوتا ھے۔ لہٰذا ایسی امت میں کوئی خیر و خوبی نہیں جس کے افراد لاغر، ناتواں اور کمزور ھوں۔ جیسا کہ ایسی قوم میں کوئی بھلائی نہیں جو شجاعت، سخاوت اور اتفاق جیسی صفات سے محروم ھو۔

(الف) شریعت ایک ھی وقت میں ملت کی نشو و نما اور اضافہ طاقت کیلئے زیادہ اولاد پیدا کرنے کی ترغیب بھی دیتی ھے۔ اور اس کے ساتھ ھی اسی کثرت کو کمزوری اور سیلاب کے خس و خاشاک بننے سے محفوظ رھنے کا حکم بھی دیتی ھے۔ اس نے جہاں قومی ترقی اور استحکام قوت میں اضافہ کے لئے افزائشی نسل کی ترغیب دی ھے، وھیں اس کثرت کو ناتوانی، کمزوری اور جسمانی امراض سے محفوظ رکھنے کا حکم بھی دیا ھے۔ تاکہ قوم سیلاب کا خس و خاشاک نہ بن جائے۔ یہ بات ھم ان بعض احکام سے سمجھ سکتے ھیں جو اس نے عبادت کے سلسلہ میں دئے ھیں۔ چنانچہ بیمار آدمی کو روزہ افطار کردینے کی شرعاً اسلئے اجازت ھے کہ کہیں اس کا مرض نہ بڑھ جائے۔ اسی طرح مسافر کو بھی اسکی اجازت دی گئی ھے تاکہ اسکی صحت قائم رہسکے۔ احرام کی حالت میں اگر سر میں کوئی تکلیف ھوجائے تو بال کٹوادینے کی اجازت ھے۔ پانی سے وضو یا غسل کرنے میں جسم کو تکلیف پہنچتی ھو یا مرض بڑھ جانے کا اندیشہ ھو تو تیمم کرلینے کی اجازت ھے۔ تلاش کرنے والے کو ایسی بیشمار جزئیات مل جائینگی جن سے پتہ چلتا ھے کہ بہت سے احکام محض صحت اور مرض کا لحاظ کرکے دئے گئے ھیں۔

علاوہ ازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد احادیث میں علاج کی ترغیب دی گئی ھے۔ خود آپ نے بھی بعض امراض کے علاج تجویز فرمائے ھیں۔ اسی طرح آپ نے متعدی اور مہلک امراض سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بچنے کی بھی تاکید فرمائی ہے۔ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ کسی شہر یا گاؤں میں وبا پھیل جائے تو قرنطینہ کی پابندیاں لگادینا شرعی حکم ہے۔ چنانچہ آپ کا ارشاد ہے کہ ''اگر تم کسی ایسی زمین میں ہو جہاں وبا پھیلی ہوئی ہو وہاں سے نہ نکلو۔ اور اگر تمہیں کسی مقام پر وبا پھیلنے کی اطلاع ملے تو وہاں نہ جاؤ''۔ (۱)

(ب) یہ تو صحت، طاقت اور حفظان صحت سے متعلق عام باتیں تھیں۔ لیکن اس کے علاوہ شریعت میں ایسے قوانین بھی موجود ہیں جو زوجین کی زندگی کے ساتھ مخصوص ہیں۔ مثلاً اگر یہ معلوم ہوجائے کہ زوجین میں سے کوئی ایک کسی ایسے مرض میں مبتلا ہے جس سے شادی کا مقصد فوت ہوجاتا ہے۔ یا اس مرض کے ایک دوسرے کیطرف یا اولاد کی طرف متعدی ہوجانے کا خطرہ ہے تو ایسی صورت میں ان قوانین کی رو سے نکاح فسخ کیا جاسکتا ہے۔ کتاب الام میں امام شافعی رحہ فرماتے ہیں کہ ''علمائے طب اور اہل تجربہ کا کہنا ہے کہ جذام اور برص ان امراض میں سے ہیں'' جو زوجین میں سے ایک دوسرے کی طرف متعدی ہوجاتے ہیں۔ رہی اولاد تو وہ بھی اس سے محفوظ نہیں رہتی۔ اگر وہ بچ بھی جائے تو اسکی نسل میں یہ مرض پہنچ ہی جاتا ہے۔

(ج) بچہ کی صحت قائم رکھنے اور اسکی قوت کو برقرار رکھنے کیلئے بھی احادیث ہیں، زمانۂ حمل کے اندر دودھ پلانے کی ممانعت آئی ہے۔ چنانچہ حضرت اسماء بنت یزید ابن السکن رض سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ:

لاتقتلوا اولادکم سرًّا فان الغیل یدرك الفارس فید عبثره عن فرسه۔

''چھپا چھپا کر اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ اسلئے کہ زمانۂ حمل میں دودھ پلانا شہسوار کو بھی گھوڑے سے گرادیتا ہے''۔ (ابو داؤد)

(۱) اس موضوع پر ابن القیم جوزی رحہ کی کتاب زادالمعاد باب طب الابدان صفحہ ۶۲ اور اس کے بعد کے صفحات دیکھنے چاہئیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اغتربوا لاتضووا ۔

(عربی زبان میں وعترالحوض کے معنیٰ حوض کے دیواروں کو گرادینے کے آتے ہیں۔ اسی طرح غیل زمانۂ حمل میں دودھ پلانے کو کہتے ہیں) چنانچہ جو بچہ حاملہ عورت کا دودھ پیتا ہے اسکی قوت کمزور ہوجاتی ہے اور ضعف کا یہ اثر بڑی عمر تک باقی رہتا ہے۔ حتیٰ کہ جنگ میں بھی وہ اپنے حریف کے مقابلہ میں کمزور ثابت ہوتا ہے اور اسی وجہ سے اسے ناکامی اور شکست کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ علمائے نے بیان کیا ہے کہ حاملہ عورت کے دودھ میں ایک مرض ہوتا ہے جو بچہ کی نشو و نما کو روک دیتا اور اسکی شگفتگی کو زائل کردیتا ہے۔ علماء کے اس قول کی صداقت کا مشاہدہ بیشتر حالات میں ہم نے خود بھی کیا ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ جن بچوں کو بدقسمتی سے زمانۂ حمل کا دودھ پینا پڑتا ہے وہ عموماً کمزور، سرجھائے ہوئے اور پژمردہ ہوتے ہیں۔ ایسے بچوں کے اخلاق بھی بہت تنگ ہوتے ہیں۔ جن بچوں کو ایسے حالات سے سابقہ پڑتا ہے کہ وہ ابھی دودھ ہی پی رہے تھے کہ ماں حاملہ ہوگئی تو وہ بچے عموماً ہلاکت کے قریب پہنچ جاتے ہیں۔ ہر باپ میں یہ استطاعت بھی نہیں ہوتی کہ وہ اجرت پر کسی ایسی دایہ کا انتظام کرسکے جو حمل سے خالی ہو اور وہ بچہ کو پوری مدت تک دودھ پلاسکے۔ اس کے متحمل تو امت میں معدودے چند دولت مند افراد ہی ہوسکتے ہیں لیکن مجموعہ پر چند افراد کا حکم تو نہیں لگایا جا سکتا۔

اگر کسی دودھ پلانے والی دایہ کا حمل ظاہر ہو جائے تو فقہاء نے فریقین کو اس اجارہ کے معاہدہ کو فسخ کر دینے کا حق دیا ہے۔ اور اس کی دلیل یہ دی ہے کہ حاملہ عورت کا دودھ چونکہ بچہ کو نقصان دیتا ہے نیز خود حاملہ عورت کو بھی دودھ پلانا نقصان دے سکتا ہے۔ لہذا دایہ اور بچہ کے والد، دونوں کو فسخ معاہدہ کا حق حاصل ہے۔ تاکہ بچہ اور دایہ کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوئی نقصان نہ پہنچنے پائے - فقہاء نے اس بات کی بھی تشریح کی ہے کہ اگر شیر خوار بچہ کی حفاظت اس طرح پر ممکن ہو کہ جان پڑنے سے پہلے پہلے حمل کا خون نکال دیا جائے تو یہ جائز ہے جیسا کہ اسقاط حمل کے سلسلے میں پہلے بیان کیا جا چکا ہے - علاوہ ازیں محرم رشتہ داروں کے ساتھ شادی کی ممانعت کی وجہ بھی فقہاء نے یہی بتائی ہے کہ ایسی شادیاں عموماً اولاد کی جسمانی اور اخلاقی کمزوری کا باعث ہوتی ہیں -

شریعت نے شادی کے لئے سمجھدار عورت کا انتخاب کرنے کی بھی تاکید کی ہے - اسلئے کہ احمق عورت کی حماقت اس کی اولاد کی طرف بھی منتقل ہوتی جاتی ہے - نیز شریعت اس بات کی بھی رہنمائی کرتی ہے کہ بیوی انتہائی قریب رشتہ داروں میں سے نہ ہو - کیونکہ اس صورت میں کمزور اور لاغر اولاد پیدا ہونے کا اندیشہ ہے - چنانچہ ایک پرانا مقولہ ہے

یعنی اجنبی اور غیر خاندان میں شادی کرو تاکہ تمہاری اولاد لاغر اور کمزور نہ ہو "نیز فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ غیر خاندان کی بیویاں (اولاد کے حق میں) زیادہ شریف ثابت ہوتی ہیں " - انہوں نے یہ بھی فرمایا ہے " بیوقوف عورتوں سے احتراز کرو کیونکہ ان کے بچے زیادہ ضائع ہوتے ہیں " -

جب اسلامی شریعت عام طور پر صحت کو قائم رکھنے کی ترغیب دیتی ہے - اولاد کو امراض سے بچانے کے لئے نکاح اور اجارہ کے معاہدوں تک کو فسخ کرنے کا حکم دیتی ہے - نیز بچوں کی حفاظت کی خاطر حاملہ عورتوں کا دودھ پلوانے کی ممانعت کرتی ہے - تو ان تمام احکام سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ شریعت کا مقصد صحت ، طاقت اور امراض سے حفاظت کے اسباب و ذرائع میں اضافہ کرنا اور ملت کو زیادہ سے زیادہ طاقتور بنانا ہے -

شریعت طاقتور افراد پر مشتمل کثرت کا مطالبہ کرتی ہے

جب یہ صورت ہے کہ شریعت کثرت آبادی پر فخر کرتی اور زندگی میں محنتی اور کارگذار افراد کی وسعت چاہتی ہے ، تو اس کا اسلامی تقاضا یہ ہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو ہوگا کہ امت ، کثرت افراد پر مشتمل ہو - لہذا شریعت اسلامیہ کا مطالبہ کثرت آبادی کا ہوا ، یہ کثرت خود امت کی اپنی تشکیل میں بھی ہونی چاہئے اور اسکی تمام وحدتوں میں بھی جن سے خود امت کا وجود متشکل ہوتا ہے -

لیکن اس کے ساتھ شریعت اسلامی پر قوت کثرت کا مطابعہ کرتی ہے - تو اب ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ ایسی پر قوت کثرت کیسے حاصل ہو سکتی ہے -

طاقتور کثرت حاصل کرنے کی راہ

اس کے حصول کی صورت یہ ہے کہ ہم افزائش نسل کی اس طرح تنظیم کریں جس سے ملت کی قوت خوش حالی اور سرگرمی بھی باقی رہے اور اسکی کثرت اور اس کا نشو نما بھی محفوظ ہو جائے -

ان عام اصولوں کی بنیاد پر جو خود شریعت ہی کے مقرر کردہ ہیں اور جن کے تقاضوں پر چلنا اس نے لازمی قرار دیا ہے تاکہ فرد کی زندگی کی کماحقہ حفاظت اور جماعت کی زندگی کے بقاء کی ضمانت ہو سکے ، ہمارا خیال ہے کہ مطلوبہ تنظیم کچھ اس انداز سے ہونی چاہیئے -

اول :- ایک مقررہ مدت کے لئے ضبط ولادت کی پابندی - تاکہ ماں اپنے بچہ کو پوری مدت تک دودھ پلا سکے - اسلامی شریعت نے دودھ پلانے کی مدت پورے دو سال مقرر کی ہے

والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعة .

جو باپ چاہتے ہوں کہ ان کی اولاد پورے مدت رضاعت تک دودھ پئے تو مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال تک دودھ پلائیں -

اس طرح اس مدت میں استقرار حمل کو روکنے سے ، ماں کو آرام ملیگا حمل کی مشقت اور زچگی کی تکلیف سے جو طاقت زائل ہو گئی تھی وہ اسے دوبارہ حاصل ہو سکے گی - اور وہ اپنے خالص دودھ سے بچہ کی پرورش کیلئے فارغ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو جائیگی ۔ اور یہ دودھ ان مضر اثرات سے پاک ہوگا جنہیں نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اغیل سے تعبیر فرمایا ہے ۔ جس کے نتیجہ میں (آپ کے ارشاد کے مطابق) بڑے سے بڑا شہسوار بھی گھوڑے سے گر پڑتا ہے ۔

دوم :۔ یہ کہ اگر زوجین میں سے دونوں کو یا کسی ایک کو کوئی ایسی بیماری لاحق ہو جو آئندہ نسل تک متعدی ہو سکتی ہو تو ان کے درمیان استقرار حمل کو قطعاً روک دیا جائے ، اگر زوجین ضبط ولادت کی تدبیر پر عمل کرنے پر آمادہ نہ ہوں تو ایسی صورت میں حاکم وقت کو یہ حق حاصل ہے کہ ان کے درمیان قانوناً تفریق کرا دے ۔ تفریق کا یہ حق اس قانون کی رو سے ہے کہ حاکم پر ایسے نقصان کا سدباب کر دینا فرض ہے جو افراد یا امت کی طرف منتقل ہونے والا ہو ۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ ضبط ولادت کی بنیاد پر تنظیم نسل کے مسئلہ سے ہمارے فقہاء نے اس انداز پر تعرض نہیں فرمایا ۔ لیکن میں آپ کو امام شمس الدین رملی شافعی کی اس تحریر کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں جو انہوں نے اپنی کتاب نہایۃ المحتاج میں لکھی ہے ۔ دیکھئے نمبر ۲۳۰/ج ۸ ۔ اس کتاب میں اسی انداز پر تنظیم نسل کرنے کی پوری بنیاد موجود ہے ۔ چنانچہ مانع حمل ادویہ استعمال کرنے کے بارہ میں علماء کا اختلاف نقل فرمانے کے بعد موصوف نے لکھا ہے کہ " اس دوا کے درمیان جو استقرار حمل بالکلیہ روک دے اور اس دوا میں جو وقتی طور پر رکاوٹ ڈال دے ۔ اگر فرق ملحوظ رکھا جائے تو یہ بات مبنی بر دلیل ہوگی " ۔

بہر حال مذکورہ بالا دونوں تجویزیں تنظیم حمل کے لئے خصوصی طور پر ایک طرح کا علاج بھی ہیں ۔ علاج اسلئے کہ حمل کے زمانے میں دودھ پلانے سے بچہ کمزور ہو جاتا ہے ، نیز مریض والدین سے بچے کی طرف جو امراض منتقل ہو سکتے ہیں جیسے سل اور جذام وغیرہ تو تنظیم نسل کے ذریعہ سے ان سے بھی تحفظ ممکن ہے ۔ علاوہ ازیں عورت کے بار بار حاملہ ہونے سے جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کمزوری لاحق ہو جاتی ہے کہ ایک زچگی کے بعد اسے اتنا وقت ہی نہیں ملتا کہ وہ اپنی ضائع شدہ طاقت کو بحال کر سکے اور پوری طرح آرام پا سکے - تنظیم نسل کی تدبیر سے اس کی بھی روک تھام ہوجاتی ہے -

اس کے بعد ایک اور سوال باقی رہ جاتا ہے - وہ یہ کہ جو لوگ ایسے وسائل نہیں رکھتے جن سے اپنی اولاد کی کما حقہ تربیت اور خبر گیری کرسکیں چنانچہ اس وجہ سے انہیں تنگی میں پڑ جانے کا خطرہ ہے - یا اولاد کے واجبات اور حقوق ادا کرنے اور ان کو پروش کرنے کے لئے انہیں زیادہ محنت مشقت اور تکان کی وجہ سے اندیشہ ہے کہ اعصاب پر برا اثر پڑنے کی وجہ سے خود ان کی صحت بھی جواب دے جائیگی - تو مذکورہ بالا اعذار اور اندیشوں پر اعتماد کرتے ہوئے جنکی وجہ سے اگر تنگی میں پڑنے کا خطرہ ہو تو شریعت میں بعض اوقات فرائض تک کو بھی ترک کر دینا بھی جائز ہو جاتا ہے ، کیا ایسے لوگوں کے لئے تحدید نسل اور کم اولاد پیدا کرنے کا عمل جائز ہو جائے گا ؟

ہمارا خیال ہے کہ ان حالات میں ہمیں محض " تحدید نسل " پر ہی بھروسہ نہیں رکھنا چاہیئے بلکہ اس وقتی تدبیر کے ساتھ ایک اور ضروری چز کو بھی شامل کر لینا چاہیئے تاکہ علاج جملہ واجبات اور حالات پر حاوی ہو سکے - وہ ضروری چز یہ ہے کہ صحت مند مفلوک الحال لوگوں کی امداد کے لئے ہمیں اجتماعی اور مالی تدابیر بھی اختیار کرنی چاہیئں تاکہ ان کے ذریعہ سے ایسے بچوں کی پرورش ، تعلیم اور وظائف کا انتظام کیا جائے اور والدین کی تنگدستی اور مالی مشکلات کا بھی جو جہالت اور خرابی غذا کے باعث ان کے اعصاب کو کمزور کر ڈالتی ہیں مناسب تدارک ہو سکے - اور جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ اولاد کی حقدار خود ملت بھی ہوتی ہے - چنانچہ اسے حق پہنچتا ہے کہ وہ بھی اس سے نفع اندوز ہو اور عام زندگی میں اس سے فائدہ اٹھائے اور فقہاء کا ایک بنیادی اصول ہے الغنم بالغرم (نفع تاوان کے ساتھ ہے) یعنی جس چیز سے تم فائدہ اٹھاتے ہو اس کے اخراجات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی برداشت کرو ۔ اس لحاظ سے حکومت اور معاشرہ کی ذمہ داری بھی ہے ۔ کہ ان مشکلات کے لئے ایسے وسائل اور تدابیر اختیار کرے جو ان مقاصد کو پورا کر سکیں ۔

ہم ان وسائل کی تفصیل اور ان میں سے مناسب وسائل و تدابیر کے انتخاب کو علم الاجتماع اور اقتصادیات کے ماہرین کیلئے چھوڑتے ہیں ۔

غالباً اس انداز سے تنظیم حمل کی تجاویز پر عمل کرنے میں جو ہم نے پیش کی ہیں اس خوفناک اجتماعی دشواری کا حل موجود ہے جو امت کیلئے مستقل خطرہ اور حکومت کے لئے مستقل درد سر بنا ہوا ہے ۔ بعینہ یہی مسئلہ پاگلوں ، مجنونوں ، آفت رسید اور اپاہج لوگوں کا بھی ہے ۔ ان میں سے ہر نوع کے آدمی سڑکوں ، گلیوں ، قہوہ خانوں اور میدانوں میں آپ کو ہر طرف پھیلے ہوئے ملیں گے ۔ انہوں نے اپاہج پن کو حصول منفعت بیحیائی ، بے غیرتی اور ذلت و رسوائی کا ایک وسیلہ بنا لیا ہے ۔ اگر لوگوں کا دل اس کو دیکھ کر دکھ سکتا ہے اور وہ ان کی وجہ سے دردمند ہو سکتے ہیں ، تو حکومت جو سب کی نگراں ، محافظ اور راحت و آرام کی ذمہ دار ہے بدرجۂ اولیٰ اس بات کی مستحق ہے کہ ان کے لئے درد مند ہو اور ان کی حالت سے اسے تکلیف پہنچے ۔ وہ ان کے لئے ہسپتال اور پناہ گاہیں بنوائے ۔ حکومت کا فرض ہے کہ وہ ان اداروں ، ان کے ملازمین ، خدام اور مریضوں کے تمام اخراجات کی کفیل ہو ۔ کیونکہ حکومت کو خود بھی ان لوگوں کی وجہ سے امن و امان کے قیام میں دشواریاں پیش آتی ہیں ۔ نیز ان کے بعض اوہام و خیالات ، تنگ دلی اور بد اخلاقی وغیرہ کیوجہ سے معاشرہ میں جو ایک مستقل بگاڑ پیدا ہو گیا ہے ۔ وہ خالصۃً افلاس ، تنگدستی ، مرض اور جنون کی پیداوار ہی ہوتا ہے ۔ اسکا علاج اس طرح ممکن ہو سکتا ہے ۔

غرباء کو امداد دینے میں مالدارں اور حکومت کا فرض

اگر حکومت واقعی دل سے اس دشواری کو حل کرنے کی کوشش کرے تو وہ اس تکلیف سے نجات حاصل کر سکتی ہے جو اسے قیام امن اور استحکام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مملکت کے سلسلہ میں پیش آتی ہے - اور غرباء کی مالی امداد اور ان کی ضروریات زندگی فراہم کرنے کے لئے جن اخراجات کی اسے ضرورت ہوگی وہ انہیں با آسانی مہیا بھی کرسکتی ہے - اس کے یہ اخراجات ضائع نہیں جائیں گے بلکہ اس کے بعد وہ تندرست اور توانا افراد سے زندگی کے مختلف گوشوں میں فائدہ بھی اٹھا سکتی -

امت کے مالدار اور فارغ البال عقلاء کا بھی فرض ہے کہ وہ راحت رسانی اور امن و اطمینان کے وسائل فراہم کرنے میں مستعدی کے ساتھ حکومت کا ہاتھ بٹائیں - اس سے خود ان کی زندگیاں بھی محفوظ و مامون ہو سکیں گی - ان کی عزت میں اضافہ ہوگا اور مرتبہ بھی بلند ہوگا - یہ تدابیر ہر اس قوم اور امت کے لئے ضروری ہیں جو پر قوت اور پر سکون زندگی بسر کرنا چاہتی ہو -

غرباء کی تحدید نسل کا نقصان

رہا افراد کا فقر و فاقہ اور تنگدستی کے خوف سے کم اولاد پیدا کرنے کا تصور تو اس کا نتیجہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ قوم کو قوت کے ایک ایسے سرچشمے سے محروم کردیا جائے جس کو حاصل کرکے اس سے خدمت لینا ، اور فائدہ اٹھانا اور جس پر ان تمام امور میں اعتماد کرنا ممکن تھا جو قوم کے لئے فائدہ رساں ہوتے اسے طاقتور اور پر عظمت بناتے اور مدت ہائے دراز تک ان کی افزائش آبادی اور سربلندی کا باعث بنتے - ۔

غرباء کو بیکار چھوڑنے کا نقصان

مصیبت بالائے مصیبت یہ ہے کہ غریب اور مفلوک الحال لوگوں کو ان کے اپنے حال پر بھی نہیں چھوڑا جا سکتا کہ وہ کثرت سے بچے پیدا کرتے چلے جائیں کہ ان کی ضروریات دن بہ دن بڑھتی چلی جائیں جس کے نتیجہ میں وہ خاندان سمیت تنگی میں گرفتار ہوں - اور اپنی بد نصیب زندگی کا ساتھ نہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دے سکیں۔ نتیجۃً ان کی صحت خراب ہو جائے۔ اخلاق تباہ ہو جائیں - بالاخر اس ناخوشگوار زندگی سے تنگ آ کر بد امنی پیدا کرنے ، (چوری کرنے ڈاکہ ڈالنے جیبیں کترنے) اور بعض اوقات بیوی بچوں کو ہلاک کر دینے میں اپنی نجات سمجھ بیٹھیں ۔ بلکہ نوبت خودکشی اور قتل اولاد یا قتل و غارت گری تک پہنچ جائے - یہ انجام ظاہر ہے کہ تحدید نسل کے انجام سے بھی بدتر ہے کہ جس کا تذکرہ اوپر کیا گیا ہے - یہ دونوں انجام ان بدترین نتائج میں سے ہیں جن سے قومیں اپنی زندگی اور شوکت کے دور میں دو چار ہوتی ہیں ۔

ایک فقیر اور مفلوک الحال آدمی نہ اس مجرمانہ نتیجہ کا تنہا ذمہ دار ہوتا ہے نہ اس جرم کا ۔ بلکہ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو ان جرائم کی ذمہ داری پوری ملت پر عائد ہوتی ہے ۔ اور خصوصیت کے ساتھ پوری امت سے بھی مجرم مالدار لوگوں کا طبقہ ہے ۔ لیکن سب سے بڑی مجرم خود حکومت ہوتی ہے - اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا نے مالدار لوگوں پر غرباء کی امداد و اعانت کو فرض قرار دیا ہے اور انھیں حکم دیا ہے کہ اس مال میں سے جو خدانے انھیں دیا ہے اور جس میں اس نے تصرف کرنے کا حق عطافرمایا ہے ۔ غرباء کی حالت کو سنوارنے اور درست کرنے کے لئے بھی خرچ کریں نیز حکومت پر بھی یہ فریضہ عائد کیا ہے کہ وہ پوری امت کی نگہداشت پورے طور پر کرے۔ اور فلاح و بہبود کے جملہ ذرائع اس کے لئے فراہم کرے - جب اصلاح میں کوتاہی ہو اور نگہداشت پورے طور پر نہ ہورہی ہو تو پھر جوابدہی پوری قوم پر عائد ہوتی ہے فقراء کے تمام جرائم کا گناہ اور امت کو ان قوتوں سے محروم کرنے کا گناہ بھی جن کو حاصل کر لینا ممکن تھا پوری قوم کے دوش پر آجائے گا ۔

غرباء کے حالات سے متعلق شرعاً حکومت کی ذمہ داری

شرعی فرائض کی انجام دہی سے کوتاہی کی جواب دہی کا اصول بھی خود شریعت ہی نے مقرر کردیا ہے یہ جواب دہی جس طرح معین افراد پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عائد ہوتی ہے اس طرح ملت کی ہیئت اجتماعیہ پر بھی عائد ہوتی ہے جو اس طاقت کی اصل نمائندہ ہوتی ہے جسے امت کی محافظ اس کے حالات و کوائف کی نگران اور اس کے مصالح کا ذمہ دار ٹھرایا گیا ہے۔ خدا نے افراد میں ایک دوسرے کے درمیان اور امت اور افراد کے درمیان جو باہمی ذمہ داری کا رشتہ مقرر کردیا ہے اس کی رو سے اگر فرد کو اپنے ارتکاب جرم کا جوابدہ قرار دیا گیا ہے تو ساتھ ہی دوسرے لوگ بھی اس سے بالکل بری نہیں ہیں کیونکہ مجرم اگر جرم کرتا ہے تو دوسرے لوگوں کی کوتاہی اور غفلت شعاری کو بھی اس میں دخل ہوتا ہے کہ انہوں نے ان حالات کو کیوں پیدا ہونے دیا کہ مجرم ارتکاب جرم پر مجبور ہوگیا۔ لہذا جواب دہی سب پر عائد ہوگی اور پوری ملت کی نمائندہ ان کی ہیئت اجتماعیہ یا ہیئت حاکمیہ ہوتی ہے لہذا وہ سب سے زیادہ جوابدہ ہوگی۔ قوموں کی حیات و ارتقاء کے سلسلہ میں اسلام اسی شرعی نقطۂ نظر کا قائل ہے۔

محمود شلتوت

© rasailojaraid.com